امت کو زندہ کرنے والے لوگ کہاں ہیں؟

کیا ڈکٹیٹر ایسے ہوتے ہیں؟

''حضرت ابوقبیل کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے اور اپنے خطبہ میں فرمایا: یہ [اجتماعی] مال ہمارا ہے اور خراج کا مال اور لڑے بغیر ملنے والا مال غنیمت بھی ہمارا ہے، جسے چاہیں گے، دیں گے اور جسے چاہیں گے نہیں دیں گے، اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا، اگلے جمعہ کو بھی انھوں نے [خطبہ میں] یہی بات کہی، پھر بھی کسی نے کچھ نہیں کہا، جب تیسرا جمعہ آیا تو انھوں نے خطبہ میں پھر وہی بات دہرائی تو حاضرینِ مسجد میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:

''ہرگز نہیں! یہ [اجتماعی مال] ہمارا ہے، اور یہ خراج کا مال اور مالِ غنیمت ہمارا ہے، لہٰذا جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہوگا، ہم اپنی تلواروں سے اس کو اللہ کے فیصلہ کی طرف لے جائیں گے''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ [منبر سے] سے نیچے اتر آئے اور اس آدمی کو بلانے کے لئے پیغام بھیج دیا، جب وہ آ گیا تو اسے اندر بلا لیا، لوگ کہنے لگے کہ یہ آدمی تو ہلاک ہوگیا، پھر لوگ اندر گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ آدمی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: ''اس آدمی نے مجھے زندہ کر دیا، اللہ اسے زندہ رکھے''۔ پھر فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''میرے بعد ایسے امیر ہوں گے کہ اگر وہ کوئی غلط بات کہیں گے تو کوئی ان کی تردید نہ کر سکے گا بس، وہ آگ میں ایک دوسرے پر ایسے اندھا دھند گریں گے جیسے [کسی درخت کے اوپر سے] بندر ایک دوسرے پر چھلانگ لگاتے ہیں''۔

چنانچہ میں نے پہلے جمعہ کو یہ [غلط] بات [قصداً] کہی تھی، کسی نے میری تردید نہیں کی، جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں [آگ میں گرنے والے] ان امیروں میں سے نہ ہوں؟ پھر میں نے دوسرے جمعہ کو وہی بات دوبارہ کہی، تو پھر بھی کسی نے میری تردید نہ کی، اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: ''میں تو ضرور ان ہی امیروں میں سے ہوں''۔ پھر میں نے تیسرے جمعہ کو وہی بات تیسری بار کہی، تو اس آدمی نے کھڑے ہو بیری تردید کی، اس طرح اس نے مجھے زندہ کر دیا، اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے''۔ [مجمع الزوائد ۲۳۶/۵، حیات الصحابہ، ج ۲، ص ۶۷، ۶۸، طبع بیروت]

کیا اسلام جمہوریت کے فروغ وارتقاء کا ذریعہ ہے

افادات سلیمان ندوی/امالی غلام محمد

[جمہوریت کی حقیقت، حیثیت اور ماہیت کے سلسلے میں زاہد صدیق مغل صاحب کا مضمون نومبر ۲۰۰۶ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ ذیل میں ہم جمہوریت کو اسلامی تاریخ میں تلاش کرنے والوں کے لیے سیّد سلیمان ندویؒ کے افادات شائع کر رہے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ جدید مغربی جمہوریت کے فروغ و ارتقاء کے لیے اسلام نہیں آیا اور اسلام کی روح مشاورت اور شوریٰ کا حاکمیتِ جمہور اور انسانوں کو گننے والی جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، امالی غلام محمد جون ۲۰۰۶ء کے ساحل میں شائع ہو چکے ہیں۔]

اقبال اور جمہوریت: سلیمان ندوی

اقبال مرحوم لکھتے ہیں کہ جمہوریت کا اصل ماخذ تو اسلام اور عہد خلافت راشدہ ہے۔ جمہوریت کی بنیادیں اس زریں عہد میں تھی، امیہ اور عباسی اس میں رکاوٹ بن گئے، اب مغرب میں جمہوریت، پارلیمنٹ کا ظہور ہماری ہی روایت کا ظہور ہے لہٰذا جمہوریت کا خالق مغرب نہیں اسلام ہے یہ بھی بے بنیاد دعویٰ ہے۔

جمہوریت اور خلافت اسلامیہ: تضاد کیا ہے؟

جمہوریت اور جمہوری عمل کا اسلام سے کیا تعلق اور خلافت اسلامی سے کیا تعلق؟ موجودہ جمہوریت تو سترہویں صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ یونان کی جمہوریت بھی موجودہ جمہوریت سے الگ تھی لہٰذا اسلامی جمہوریت ایک بے معنی اصطلاح ہے۔ شورائیت کہہ سکتے ہیں، قرآن بتاتا ہے کہ فرعون کی بھی شوریٰ تھی اور ملکہ سباء کی بھی شوریٰ تھی جب حضرت سلیمانؑ کا خط ملا تو سباء نے اپنی شوریٰ سے مشورہ کیا جب حضرت موسیٰ نے فرعون کو للکارا تو اس نے بھی شوریٰ سے مشورہ کیا اور اس کی شوریٰ کے ایک رکن نے حضرت موسیٰ کے حق میں بہت کلمات خیر کہے اور فرعون کو انتباہ کیا تو شورائیت، نظام استبداد اور آمریت میں بھی رہتی ہے، ملوکیت میں بھی ہوتی ہے اور خلافت میں بھی ملتی ہے۔ مغرب کا یہ تصور کہ ملوکیت، خلافت، آمریت میں کوئی مشورہ نہیں کیا جاتا تھا۔ فرد واحد

حکومت کرتا تھا، محض فریب نظر ہے، جمہوریت میں بھی اصل اقتدار کیا عوامی نمائندوں کے پاس ہوتا ہے۔ یہ بھی محض فریب نظر ہے، اصل اقتدار تو ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے جو پارلیمنٹ میں موجود نہیں ہوتے، یہ اقتدار نوکر شاہی کے پاس۔ تمام قوانین وہی تیار کرتے ہیں، جمہوری نمائندے ان پر صرف دستخط کرتے ہیں اکثر کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کس مسودے پر دستخط کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ اسلام اور خلافت کا نظام خالصتاً جمہوری ہے۔ تاریخ اسلام کے لیے اجنبی تصور ہے۔

اعلان خلافت کے بعد اعلان بیعت: حبل الناس کیا ہے؟

اب دیکھیے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا اعلان پہلے کیا گیا بیعت بعد میں ہوئی۔ خلیفہ تو انھیں مقرر کر دیا گیا اس تقرری کا فیصلہ عوام نے نہیں ارباب حل وعقد نے کیا۔ یہ کون لوگ تھے؟ کیا یہ منتخب ہوئے تھے؟ کیا رسول اللہ نے انھیں خلافت کے فیصلے کا اختیار دیا تھا۔ عہد رسالت میں یہی لوگ رسالت مآب کے قریب تھے۔ لہٰذا یہی فطری قائدین تھے ان کو جمہور سے توثیق وتصدیق کی ضرورت نہ تھی ان کی حیثیت مسلمہ تھی جس طرح اہل عرب اپنی اولاد کو پہچانتے تھے، اسی طرح ان لوگوں کی اہمیت، حیثیت سے بخوبی واقف تھے، لہٰذا کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ ہر کہہ ومہہ کو خلافت کے فیصلے میں نہ شریک کیا جا سکتا تھا نہ شریک کرنے کی ضرورت تھی۔ اتنے اہم منصب کا فیصلہ ارباب حل وعقد کریں گے یا ہر ایک سے پوچھا جائے گا قرآن کریم اس معاملے میں واضح ہدایات دیتا ہے جس سے جمہوریت کے فلسفہ عوام کی نفی ہوتی ہے۔ قرآن حبل اللہ کے مقابلے پر حبل الناس کی اصلاح استعمال کرتا ہے اور یہودیوں کے ذکر میں اس اصطلاح کا خاص محل ہے کہ یہ ہمیشہ حبل الناس کے ذریعے سامان زندگی مہیا کریں گے اور قیامت تک سہارے کے بغیر دنیا میں کبھی قیام نہ کر سکیں گے۔

حضرت عمر کی نامزدگی: کیا یہ جمہوریت ہے؟

خلیفہ کے تقرر کے لیے حضرت عمر کی مجلس:

خلافت عام آدمی کا مسئلہ ہی نہیں تھا حضرت ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ اس کا جمہوریت سے کیا تعلق تھا یہ تو نعوذ باللہ آمریت تھی۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے لیے ایک مجلس قائم کر دی یعنی امت میں سے صرف چند لوگوں کے لیے خلافت کو مخصوص کر دیا۔ اور اس کے انتخاب کی بھی ذمہ داری محدود کر دی۔ یہ کیا جمہوریت تھی؟ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو جمہوریت کا اس میں کیا عمل دخل تھا؟

حضرت علیؓ ومعاویہؓ: اختلاف حکم کے ذریعے طے ہوا جمہوریت سے نہیں

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں خون عثمانؓ غنی پر اختلافات ہوئے نوبت جنگ تک آ گئی تو مسئلہ

جمہوریت سے حل نہیں ہوا بلکہ دونوں اصحاب کرام نے حکم مقرر فرمائے اور ان کو فیصلے کا اختیار دیا۔ اتنے بڑے مسئلے کا حل صرف دو افراد کے سپرد کر دیا گیا کہ یہ دونوں جو کچھ طے کر دیں وہ فریقین کے لیے واجب التعمیل ہوگا۔ اتنے اہم مسئلے میں عوام سے کوئی رائے لی گئی؟ خوارج اسی بنیاد پر تو الگ ہوئے کہ حکم کی تقرری غیر قرآنی ہے پھر قرآن کے ان دعوے داروں نے جو کچھ کیا تاریخ کے اوراق خون سے تر بہ تر ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے لشکر اسامہ روانہ کیا، سب کا اختلاف تھا آپ نے کسی اختلاف کو اہمیت نہ دی۔ فرمایا رسول اللہ کا حکم ہے موخر نہیں ہوسکتا اور خالد بن ولید کی موجودگی میں اسامہ کو سردار لشکر برقرار رکھنے میں کوئی تردد محسوس نہ کیا کہ حکم رسول یہی ہے۔ مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے مسئلے میں تمام صحابہ کی رائے مختلف تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنی رائے پر قائم رہے۔ یہ کونسی جمہوریت تھی، ہمیں تو اسلام میں کہیں مغربی جمہوریت نظر نہیں آئی، اور اسلامی جمہوریت تو کوئی چیز ہی نہیں ہے، معلوم نہیں اقبال مرحوم کو اسلام کی روح میں یہ جمہوریت کہاں نظر آ گئی۔

حضرت حسنؓ کی تقرری: کیا جمہوری عمل کے ذریعے ہوئی؟
امت کیا جمہوریت کے ذریعے مجتمع ہوئی؟

حضرت علیؓ کے وصال کے بعد حضرت حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ اس کا فیصلہ کس جمہوریت سے ہوا؟ حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا کہ اگر خلافت معاویہؓ کا حق تھا تو انھیں مل گیا اور اگر میرا حق تھا تو میں اس سے دستبردار ہو گیا، اس سال کو امت کی تاریخ میں عام الجمع کا سال کہا جاتا ہے۔ جب امت پھر مجتمع ہوگئی تو امت کو حضرت حسنؓ نے مجتمع کیا یا جمہوریت ریفرنڈم ووٹ کے ذریعے یہ اجماع ہوا؟ طالوت کا انتخاب جمہوریت سے تو نہیں ہوا۔ عوام تو طالوت کے مخالف تھے ان کا انتخاب تو علمی اور جسمانی صلاحیتوں کی بنیاد پر ہوا، ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد حضرت داؤدؑ بادشاہ بنے، ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے سلیمانؑ ملک بنے، پھر ان کے صاحبزادے ہوئے۔ قرآن نے طالوت کو ملک کہا، ذوالقرنین کو ملک کہا، کہیں ملوکیت کی مذمت نہ کی۔

کیا قرآن ملوکیت کو حرام کہتا ہے؟

بنی اسرائیل کے لیے سورہ مائدہ میں فرمایا کہ ہم نے تم میں ملوک بھی پیدا کیے اور انبیاء بھی.....دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ کیا لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن اسلام ملوکیت کے خلاف ہے اور جمہوریت کے حق میں ہے باطل خیال ہے۔ اگر اقبال مرحوم کے جمہوری فلسفے کو مان لیا جائے تو قرآن کریم اور خلافت اسلامیہ کے طرز انتخاب کا انکار کرنا پڑے گا اور اسے غیر جمہوری قرار دینا ہوگا پھر اس بات پر بھی شرمندگی ہوگی کہ دو خلفائے راشدین رسول اللہؐ کے داماد تھے اور دو خلفائے راشدین سسر تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تو سسر کے نواسے تھے اور حضرت معاویہؓ تو رسول اللہ کی اہلیہ کے بھائی تھے۔ کیا دنیا اس طریقہ کار کو جمہوری مان لے گی؟

کیا اصطلاح جمہور اور جمہوریت کا مطلب یکساں ہے؟

مغرب کو خوش کرنے کے لیے جمہوریت کو اسلام سے برآمد کرنے کی کوشش معذرت خواہانہ جدیدیت ہے۔ اقبال مرحوم اسلامی اصطلاح جمہور اور جمہوریت میں فرق نہیں کر سکے۔ ان کا یہ موقف کہ اسلام میں تصور خلافت جمہوریت کی شکل ہے درست نہیں ہے۔ جمہوریت ایک خاص تہذیب و تاریخ کا ثمر ہے۔ اسے اسلامی تاریخ میں ڈھونڈنا معذرت خواہی ہے۔ اگر فی الحقیقت ایسا تھا تو قرآن میں ملوکیت کا تصور اور خلافت راشدہ کے نظائر اقبال مرحوم کے اس موقف کی مکمل تردید کرتے ہیں۔

اگر اسلام میں جمہوریت تھی تو پارلیمینٹ کہاں رہ گئی؟

اگر اسلام میں جمہوریت تھی تو پارلیمینٹ کیوں نہ تھی؟ اگر پارلیمینٹ عین اسلام ہے اجماع کا ادارہ ہے، اسلام کی فطری روح کے عین مطابق ہے تو عہد رسالت خلافت راشدہ اور قرآن کریم میں انبیاء کے معاشرے اس ادارے کے وجود سے ہمیں آگاہ کیوں نہیں کرتے، اتنے اہم اسلامی ادارے کا اسلامی تاریخ میں کوئی وجود نہیں ملتا۔ بلکہ دنیا کی تاریخ اس وجود سے خالی ہے۔ اب سترہویں صدی کی خاص تاریخ سے نکلنے والی پارلیمینٹ ہی درست ہے باقی سب غلط ہے، یہ طرز فکر دوسرے لفظوں میں اسلام کی تاریخ اور انبیاء کی تاریخ کا انکار ہے۔ یونان کی جمہوریت اپنی تاریخ اور تہذیب کی پیداوار ہے۔ یہی حال مغربی جمہوریت کا ہے، اسلام کو مغرب کے سیاسی نظام میں سمونے [یا یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اسلام مغرب سے افضل ہے] کے لیے اقبال مرحوم کا نقطہ نظر اسلامی علوم سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

کیا اجماع کا متبادل جمہوریت اور پارلیمینٹ ہے؟

اقبال مرحوم نے اصطلاح اجماع سے جمہوریت کا استباط کیا ہے۔ اجماع کے لیے پارلیمینٹ کو موثر ترین اور معتبر ترین ادارہ قرار دیا ہے۔ اگر عالم اسلام کی ایک ہی پارلیمینٹ ممکن ہوتی تو شاید اقبال مرحوم کے اس مفروضے کی کوئی عقلی دلیل مل سکتی، لیکن قومی ریاستوں کی قومی پارلیمینٹوں کے ذریعے قومی اجماع، اجماع جمہور کا متبادل کیسے ہوسکتا تھا۔ اب پندرہ سو سال کے بعد جمہور کی اصطلاح بھی بدل دی جائے تو شاید ممکن ہو۔ اقبال مرحوم صاف لفظوں میں کہتے تھے کہ صرف چار مکاتب فکر کے اجماع کے تصور کو ختم کر کے اس تصور کو وسیع کر دیا جائے۔ صرف اقبال کے کہنے سے مکاتب فکر ختم نہیں ہو سکتے۔ اس امت میں بے شمار مکاتب فکر تھے، سب ختم ہو گئے، صرف چار رہ گئے۔ غیر فطری طریقے سے جو مکاتب ابھرے وہ فطری طریقے سے ختم ہو گئے، خطبات لکھنے اور تقریر کرنے سے نہ کوئی مکتب فکر وجود میں آتا ہے نہ ختم ہوتا ہے۔

قومی پارلیمینٹ: اجماع کا بدل نہیں

اس طرح کے دعوے بلنٹ نے اپنی کتاب میں کیے ہیں اس پر اس ہیچ مداں نے معارف میں دو قسطوں میں تبصرہ لکھا تھا۔ یہ اقبال کی زبان نہیں یہ تو بلنٹ کی زبان ہے۔ یہ عجیب وسعت ہے جو عالمگیر سطح پر متشکل

ہونے کے بجائے قومی سطحوں پر قومی اجماع کی صورت میں ظہور پذیر ہوگی۔اس طرح عالم اسلام میں کبھی اجماع ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔اقبال کے ذہن میں یورپ میں قومی کلیساؤں کے ظہور کی تاریخ واضح نہیں تھی۔اقبال مرحوم کی اس تجویز سے اسلام کا انجام اس سے برا ہوتا جو عیسائیت کا ہوا قومی کلیساؤں نے عیسائیت کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

اجماع: جہلاء کا نہیں مسلمہ مکاتب فکر کے علماء کا ہے

اجماع جمہور کو جمہوریت اور پارلیمینٹ کی اصطلاحات کے مساوی قرار دینا علوم اسلام کی تاریخ سے کامل ناواقفیت کا اظہار ہے۔یہ بھی خلط مبحث ہے،اسلام میں اجماع جہلاء کا نہیں ہے اجماع علماء کا معتبر ہے عوام کا نہیں یہ علماء کون ہوں گے اس کے بھی اصول طے ہیں اجماع کی اصطلاح ان تمام اصولوں کا کامل احاطہ کرتی ہے۔ لہٰذا جمہوریت اور جمہوری عمل کے تحت مطلق آزادی مطلق مساوات اور ایک انسان ایک ووٹ کا فلسفہ اجماع کی اصطلاح سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتا۔

جمہوریت خواہش نفس کا نام ہے:

جمہوریت خواہش نفس کا نام ہے کہ آپ کسے ووٹ دینا چاہتے ہیں،اس کے لیے کوئی شرط نہیں ہر شخص ووٹ دینے کا اہل ہے کہ تمام انسان برابر ہیں۔قرآن وسنت اس کافرانہ تصور کی صریحاً نفی کرتے ہیں۔ جاہل اور عالم،متقی اور فاسق،مشرکین منافقین،منحرفین مختلف طبقات ہیں۔یہ تقسیم صرف عالم آخرت کے لیے نہیں اس دنیا کے لیے بھی ہے۔

اسلامی ریاست: جاہل اور بدکار سربراہ نہیں ہوسکتا

اسلامی ریاست کا سربراہ جاہل شخص نہیں بن سکتا نہ فاسق وفاجر کو امارت مل سکتی ہے کیونکہ فسق وفجور کا خاتمہ ریاست کا بنیادی وظیفہ ہے جب کہ جمہوریت میں کوئی تحدید نہیں ہے۔اقبال مرحوم نے خلافت کے خاتمے اور ترکی میں لادینی جمہوری حکومت کے آغاز کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا اور اپنے مقالے اجتہاد میں اسے مسلمانوں کی اجتہادی قوت کے نمونے کے طور پر پیش کیا،لیکن یہ اجتہاد جو آغاز میں بھی محض الحاد تھا،آخر کار الحاد کے سوا کیا نکلا۔اسلام میں ایسے کسی اجتہاد کی گنجائش نہیں جو بنیادی اصولوں کے بجائے محض نیک خواہشات کے لیے کیا جائے۔حکومت کی جمہوری شکل کو عین اسلامی قرار دینے کی بات بھی اقبال مرحوم کے مغرب سے متاثر ہونے کی صراحت کرتی ہے۔اجماع کو لادینی سیاسی نظام کے جمہوری ادارے پارلیمینٹ کا متبادل سمجھنا اقبال مرحوم کی بہت بڑی غلطی تھی۔آج وہ زندہ ہوتے تو اس خیال سے رجوع کرتے۔اقبال مرحوم اپنی فکر کا رشتہ شاہ صاحب کے ساتھ ساتھ سرسید سے بھی قائم کرتے ہیں جب کہ سرسید قرآن کو کلام اللہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے۔سرسید اور مولوی چراغ علی کی خط وکتابت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے جو شخص قرآن کو کلام اللہ ہی تسلیم نہیں کرتا اس سے اقبال مرحوم کا متاثر ہونا عجیب بات ہے۔غالباً اقبال مرحوم نے سرسید کے افکار کا غائر اور تنقیدی مطالعہ نہیں کیا ورنہ اقبال مرحوم جیسے مومن سے اس غلطی کا صدور محال تھا۔